Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کہاں سے ملتی ہے؟"

"اُدھر سے،" سائیں نے آسمان کی جانب اشارہ کیا۔

"کیسی نشانی؟"

"کوئی تارہ چمکتا ہے تو مجھے اِشارہ مِل جاتا ہے۔"

"اشارہ مِلتا ہے کہ فلاں فلاں مزار پر جاؤ؟"

"ہاں۔"

"تارہ چمک کر مزار کا نام کیسے بتاتا ہے سائیں؟"

"یہ تیرے مالُوم کرنے کی بات نہیں بچے، فقیر کو اِس کا علم ہوتا ہے۔"

"تارے کو کبھی غلطی بھی لگ جاتی ہے۔" چاچے نے کہا۔ "اِدھر سائیں کو اشارہ دِیا، اُدھر ٹھیکری والے مزار کے فقیروں کو بھی اشارہ دے دیا۔"

سائیں نے چاچے کی بات کا جواب نہ دیا مگر جب وہ گھر پہنچے تو سائیں نے چاچے کو یُوں دھم سے پلنگ پہ گرایا کہ چاچے کی ہائے نِکل گئی۔ آسمان پہ پَو پھٹ رہی تھی۔

جب اعجاز بستر پہ لیٹا تو اُس کے دِل کو یہ فِکر لگی تھی کہ سرفراز کا سکُول سے تیسرا دِن بھی غیر حاضری میں گیا۔ مگر خواب میں جانے سے پہلے اس کی بند آنکھوں میں دو ہی منظر آئے۔ ایک کنیز کا چہرہ، دُوسرا سکینہ کا برچھی کی طرح تیز چہرہ جِس سے طعنہ نِکل کر اعجاز کو کاٹ گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب 6

پھاگن آن لگا تھا۔ اعجاز اپنی زمین کا قبضہ حاصل کر کے کھیت مزدوروں کی مدد سے کاشت شروع کر چکا تھا۔ اِس دوران میں وہ جہانگیر سے دوبار جا کر مِل آیا تھا۔ دُوسری بار وہ ملک حمید کی شکائت لے کر گیا تھا کہ حمید اپنے آدمیوں کے ذریعے بشیر اور علی احمد کو دھمکیاں بھجوا رہا ہے۔

"مصلّن نے ابھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا؟" جہانگیر نے کہا۔

"اِس بات کو چھوڑو بھائی جہانگیر۔ حمید تو مرنے مروانے کی باتیں کرتا ہے۔"

"مَیں اُس سے بات کروں گا۔ میری بات مانو تو اِس قصے کو اب ختم کرو۔ اچھا، یہ بتاؤ، کاہنے میں کِسان تنظیم کا جلسہ ہو رہا ہے؟"

"اعلان ہو گیا ہے!" اعجاز نے کہا! "ابھی تاریخ مقرر نہیں ہوئی، کٹائی کا انتظار ہے۔"

"تم شریک ہو رہے ہو؟"

"ہاں۔ جڑانوالے میں چکّو کی زمین کی الاٹمنٹ کے خلاف احتجاجی اجتماع ہے۔"

"وہ تو خیر دُوسری بات ہے۔" جہانگیر بولا، "ہمیں اپنے علاقے پر توجہ دینی چاہیے۔ میری اطلاع ہے کہ بارڈر کے بے دخل مزارعوں کا مسئلہ بھی اُٹھایا جائے گا۔ وہ بھی دُرست ہے۔ تمہارے چاچے احمد خان کو کچھ زمین اُدھر مِل جائے تو اُس کی مدد ہو جائے۔ آپس کی بات ہے اعجاز، ہمیں تو پتا ہے وہ کِس کام میں ملوث ہے۔ آگے اُس کا بیٹا بھی اُسی طرف جا رہا ہے۔ مگر سب سے بڑی پرابلم یہ ہے کہ جِن لوگوں کی زمین بارانی ہو گئی ہے اُن کا پُورا مالیہ معاف کیا جائے۔ میرے ٹیوب وَیل بس سمجھو کہ دِکھاوے کی چیز ہیں، آدھی زمین بھی گیلی نہیں کرتے، اُوپر سے اُن کے چلانے کا خرچہ الگ۔ تم سے کیا چھپانا اعجاز، یہ سب،" اُس نے ہاتھ سے چاروں طرف اشارہ کیا، "تو بس رکھ رکھاؤ ہے، ہم لوگوں کو کرنا ہی پڑتا ہے۔ مگر اندر کی بات تو اللہ ہی جانتا ہے۔"

رُخصت ہوتی دفعہ اعجاز نے دوبارہ بات کی۔ "ملک حمید---"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اُس سے مَیں معاملہ کر لُوں گا۔" جہانگیر بات کاٹ کر بولا، "مگر احتیاط سے رہو اَور اُس عورت سے چھٹکارا کراؤ۔ بہت ہو گئی، اب کیا اُس کا اچار ڈالو گے؟" اُس نے ہنس کر کہا۔

اعجاز کے شعور میں غالباً" اِس بات کی خبر نہ تھی، مگر بے معلُوم طور پہ وہ جہانگیر کا ہم رکاب بن چُکا تھا۔ اُسے چاچے احمد اَور عباس کی فِکر تھی۔ پِھر نوکری چھٹ جانے کے بعد کچُھ اَپنے فائیدے کا بھی خیال تھا۔ اگر جہانگیر بہت سا فائیدہ حاصل کر سکتا تھا تو تھوڑی بہت زمین اُس کے اَپنے خاندان کے حصے میں آسکتی تھی۔ اب وہ اکیلا نہیں تھا۔ دو بیٹے تھے، اَور اُوپر سرفراز کی تعلیم کا معاملہ تھا۔ آخر سیاست اِسی کا نام تھا۔ البتہ جہانگیر ایک بات میں غلطی پہ تھا۔ کنیز اعجاز کے پِیچھے نہ پہلے پڑی تھی نہ اب۔ معاملہ اُلٹ تھا۔ وہ اعجاز کی ہڈیوں میں اُتر گئی تھی۔ جب کبھی بشیر اُسے اَپنے عزیزوں کے پاس وہاڑی بھیجنے کی بات کرتا، اعجاز کِسی نہ کِسی بہانے اُسے رُکوا دیتا۔ وہ ابھی تک سکینہ کے نزدیک نہ گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کشیدگی پیدا ہو چکی تھی۔ گھر کی روٹی چلانے کے لِئے اگرچہ زمین سے جنس آجاتی تھی، مگر کپڑے لتے کے لِئے اُوپر کے خرچے کی کمی پُوری نہ ہوتی تھی اَور گو سکینہ کو اُس کے شہر کے چکروں کے بارے میں ابھی اِس سے زیادہ عِلم نہ تھا کہ وہ اَپنے دوستوں یاروں کو ملنے جاتا ہے، مگر اُس کی جسمانی تہی دامنی پیسوں کی شکائت کی شکل میں ظاہر ہوتی رہتی تھی۔ اُس نے اَپنی شکل صُورت کا خیال کرنا ترک کر دیا تھا۔ گرمیوں کے دِن سَر پہ آپہنچے تھے اَور وہ چار چار دِن تک نہاتی نہ تھی۔ وہ جو ریٹھوں کی جھاگ سے سَر دھو کر ساری ساری دوپہر سَر میں تیل ملتی اَور لکڑی کی مہین دانتوں والی کنگھی سے بیچ ماتھے مانگ نکال کر اَپنے گز لمبے بال گوندھتی تھی، وہ بال اب دِن رات اُلجھے رہتے تھے جیسے کنگھی کے استعمال سے نابلد ہُوں۔ نہ آنکھ میں سُرمہ نہ دانت پہ دنداسہ، اُس لڑکی کی نظریں نیچی اَور توجہ ہر لمحے اَپنے دو بچوں پر مرکوز رہتیں، جیسے کہ وہ دُنیا سے ہٹ چکی ہو۔ وہ سکینہ کو دیکھتا تو اُس کا جی چاہتا کہ وہ جا کر اُسے بازوؤں کے حلقے میں لے لے اَور کوئی ایسی بات کرے جِس سے سکینہ کو تسلی ہو۔ مگر کشیدگی کی جھجک اعجاز کے ذہن میں راہ پا گئی تھی۔ دُوسری جانب کنیز تھی جِس کے بدن کے ساتھ اِس کی بے تکلفی اِس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اسے دیکھتے ہی دونوں کے بند کھُلنے لگتے تھے۔ تاہم، کنیز کی تمام تر رضامندی اَور سپردگی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باوجُود، اعجاز کے دِل میں ہر وقت یہی کھٹکا رہتا کہ وہ ابھی ہاتھ سے گئی کہ ابھی گئی۔

"اِقبال سکُول جاتا ہے۔" وہ کنیز سے کہتا، "وہاڑی کی طرف کیا پتا بھٹے کے قریب کوئی سکُول ہو کہ نہ ہو۔ تُو یہاں شہر میں کوئی کام وام کر لے، گزارہ ہوتا رہے گا۔ مَیں نے ملک حمید کے بارے میں بات کی ہے، اُس کی دھمکیوں کی پروا نہ کر۔ تجھے کوئی خطرہ نہیں۔۔۔"

ایک طرف سکینہ کو جب کبھی اعجاز نظر بھر کے دیکھتا تو یک بارگی اُس کے بدن میں خواہش کا شعلہ بھڑک اُٹھتا مگر یہ خواہش لمحاتی ہوتی اَور دیکھتے ہی دیکھتے گزر جاتی۔ برسوں کی ہمسری کے بعد آج اُن کے درمیان نہ لمس رہا تھا نہ الفاظ۔ دُوسری طرف کنیز تھی جِس کے ساتھ الفاظ کی ضرورت ہی پیش نہ آتی تھی۔ نہ مَیں نہ تُو، نہ کچُھ لینا نہ دینا۔ اُس کے اَور کنیز کے درمیان جو رشتہ تھا وہ اِسی ایک بات پہ قائم تھا کہ نہ کچُھ لینا نہ دینا، نہ قرض نہ مقروض، نہ حقوق نہ مطالبات، نہ بات نہ بتنگڑ۔ ایک وسیع و عریض آزادی کا احساس تھا جِس کے اَندر وہ دونوں تن تنہا مُحرّک تھے۔

دِل کے نُمصوں میں پھنسا، پیچیدگیوں میں ڈُبکیاں کھاتا ہُوا اعجاز کا ذہن اِس بات کو البتہ نہ پہچان سکا کہ اُس کا اَور کنیز کا تعلق ایک سیدھے سادھے اصُول پر مبنی تھا، کہ وہ اَپنے دِل کے اَندر کنیز کو ایک کمتر درجے کی مخلوق سمجھتا تھا اَور کہ یہی اُس کی خُوش کن آزادی کا منبع تھا۔

بیساکھی کے میلے لگ چکُے تھے۔ کِسانوں کے گھروں میں سال بھر کے دانے آ چکُے تھے۔ والوں کی مٹکیاں آدھی پونی بھری تھیں اَور ان کا خُون گرم تھا۔ اِس موسم میں جلسے کی تاریخ مقرر ہُوئی تھی۔ منتظمین میں کِسان تنظیم اَور کِسان کمیٹی دونوں کے لیڈر شامل تھے۔ علی احمد شیخ تندہی سے اعجاز اَور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جلسے میں جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اُس پہ زکام اَور بخار کا حملہ ہو گیا۔ جلسے کے مقامی منتظمین سے اِس کا رابطہ رہا تھا جِن کے لِئے اِس نے اَپنے چھوٹے سے گاؤں رسالے والا سے جو بارڈر کے پاس تھا، بیس آدمی ساتھ لے جانے کو تیار کر رکھے تھے۔ اُسے مقامی لیڈروں کی جانب سے یہ عندیہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی مِل چُکا تھا کہ اُس کی خدمات کے صلے میں اس بار اُسے جلسے کو خطاب کرنے کے لِئے چند مِنٹ دِیئے جائیں گے۔ اِس وعدے سے علی احمد کو اَپنے سامنے گویا ترقی کی سیڑھی نظر آگئی تھی۔ اعجاز کی مدد سے کئی روز لگا کر اُس نے تقریر لکھی تھی اَور سارا سارا دِن بیٹھ کر اُسے رٹتا رہتا تھا۔ روزانہ کی مشقت کے باوجُود علی احمد کی تقریر رواں نہ ہو سکی تھی اَور وہ کبھی ایک جگہ پر اَور کبھی دُوسری پہ اٹک جاتا تھا، اَور جہاں رُکتا اُس سے آگے ساری کی ساری بُھول جاتا تھا۔

"تقریر سامنے رکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں،" اعجاز نے اُس سے کہا تھا۔ مگر علی احمد کے اَندر اِس جلسے کے بارے میں خاص طور پہ اضطراب تھا۔

"یہ کوئی چھوٹا موٹا اِکٹھ نہیں ملک اعجاز! آپ نے دیکھا ہی ہے، مَیں گھنٹہ گھنٹہ بغیر تیاری کے بول جاتا ہُوں۔ مگر یہ بڑا جلسہ ہے۔ ملک مراج کا علاقہ ہے۔ شیخ صاحب بھی آرہے ہیں۔ یاد ہے اُنہوں نے بیدخل مزارعوں کے حق میں بُھوک ہڑتال کی تھی؟ بڑے خالص آدمی ہیں۔ جناب یہ کوئی اَیسا وَیسا موقع نہیں، پُوری تیاری کر کے جاؤں گا۔"

جب صبح سویرے اعجاز اَور بشیر اُس کے گھر پہنچے تو علی احمد ایک سو چار درجے کے بخار میں چارپائی پہ پڑا کانپ رہا تھا۔ اُس نے کھیس کا پلو اُٹھا کر آنے والوں کو دیکھا تو اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے ہاتھ تکیئے کے نیچے داخل کیا اَور کاپی کے دو ورق نکال کر، جن کے چار صفحوں پر تقریر کی عبارت صحیح کر کے لکھی گئی تھی، لرزتے ہُوئے ہاتھوں سے اعجاز کی جانب بڑھا دیئے۔

"میری قسمت خراب ہے،" وہ بولا، "بشیر کو زُبانی یاد کرا دینا، میری جگہ پر وہ بول دے گا۔" اُس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"قدرت کو اَیسا ہی منظور تھا شیخ صاحب،" اعجاز نے کہا، "جی مت چھوڑو۔ زندگی ہُوئی تو آگے ہزار موقعے آئیں گے۔ بشیر کرے یا کوئی اَور کرے، یہ تُمہاری ہی تقریر ہے، شُروع میں تُمہارا ہی نام آئے گا، اطمینان رکھو۔"

علی احمد کی بیوی، جو پردہ کرتی تھی، گھر کے اَندر تھی۔ کنیز نے چند روز سے لوگوں کے گھروں میں صفائی کا کام شُروع کر رکھا تھا۔ وہ بارہ ایک بجے گھر واپس آجاتی تھی۔ اعجاز اَور بشیر چند مِنٹ تک علی احمد کے پاس بیٹھے، پھر اُسے تسلی دے کر وہاں سے رُخصت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہُوئے۔

دونوں تانگے پر سوار ہو کر علی احمد کے گاؤں پہنچے۔ وہاں پہ پندرہ بیس کِسان گاؤں کے باہر ایک کھیت کے کنارے تیار بیٹھے تھے۔ علی احمد کی بیماری کی خبر سُن کر اُن کے چہرے اُتر گئے۔ اُن کے اطوار سے ظاہر ہونے لگا کہ اُن کے ارادے ڈگمگا گئے ہیں۔ صُورتِ حال دیکھ کر بشیر آگے بڑھ کر اُن کے درمیان جا بیٹھا۔

"جلسے جلوس میں کتنے آدمی ہوتے ہیں؟" اِس نے پُوچھا۔

"بڑے آدمی ہوتے ہیں جی،" ایک کِسان نے جواب دیا۔

"اَندازہ لگا کے بتاؤ۔ ایک سو، دو سو، ہزار، دو ہزار؟"

"اتنے تو ہوتے ہوں گے،" کِسان نے سادگی سے کہا۔

"غلط،" بشیر ڈرامائی اَنداز میں ہاتھ بلند کر کے بولا۔ "اِس جلسے میں کئی ہزار آدمی ہوں گے۔ شہر پنڈی اَور پشاور تک سے اِتنے بڑے بڑے لیڈر آ رہے ہیں کہ کئی ہزار سے بھی زَیادہ آدمیوں کا اِکٹھ ہو گا۔ ہم کتنے آدمی ہیں؟ ایک، دو تین،" بشیر نے ایک ایک کو گننا شُروع کیا، "اٹھارہ۔ دو ہم ہیں۔ بیس ہو گئے۔ ڈھول والا کہاں ہے؟"

"اُس کو آدمی بلانے گیا ہے۔" اُسی کِسان نے کہا۔

"کل اکیس!" بشیر بولا۔ "اب بتاؤ، اِتنے بڑے اِکٹھ میں اِکیس آدمی نہ گئے تو کیا ہو جائے گا، کوئی فرق پڑے گا؟"

کِسان کے سادہ فہم تک بشیر کی منطق نہ پہنچی۔ اُسے اَپنے سامنے دِن بھر کی بیگار کا راستہ دِکھائی دینے لگا۔ "نہیں جی!" وہ بول،۔ "پتا بھی نہیں چلے گا۔"

"بالکل دُرست! آٹے میں نمک کے برابر،" بشیر نے کہا۔ "لیکن۔۔۔" اُس نے دوبارہ ہوا میں انگلی اُٹھائی اَور لفظ پر زور دے کر بولا۔ "لیکن!" ایک لحظے کو رُک کر اُس نے باری باری ہر ایک کے چہرے کو دیکھا۔ سب چہرے چُپ چاپ اُس کی جانب اُٹھے تھے۔ "لیکن۔" وہ انگلی ہلا کر تیسری بار جذبے سے بولا، "رسالے والے کا نام مٹ جائے گا۔"

کِسانوں کے چہرے خُون کی گردش سے سُرخ ہو گئے۔ کچھ دیر تک وہ بشیر کے اِس نئے پینترے کو بے سمجھ نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر اُن میں سے ایک جرأت کر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولا، "یہ بات تو ہے جی۔"

"تیس چالیس گاؤں، قصبوں اور شہروں سے،" بشیر نے اُسی طرح اُنگلی ہوا میں اُٹھائے اُٹھائے زوردار لہجے میں بات جاری رکھی، "اپنے بھائی بند آئیں گے۔ ہزاروں سے اُوپر تعداد ہوگی مگر ہر ایک جتھہ جب داخل ہو گا تو اُس کے مَوضع کا نام اُٹھے گا، اُس کا نعرہ لگے گا، اُس کا ایک مقام ہوگا۔ قطرہ قطرہ کرکے دریا بنتا ہے۔ اُس دریا میں رسالے والے کا نہ کوئی نام ہوگا نہ مقام ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے مَوضعوں کے لوگ اُٹھ کر رسالے کی عزت پر ہاتھ مارتے رہیں گے، غیرت دلاتے رہیں گے، کہ مزارعے بے دخل ہو گئے اَور رسالے کے بھائیوں نے آواز نہیں اُٹھائی، جڑانوالے کے چکّو کی زمین بڑے بڑے چوہدری لے گئے اَور رسالے سے ایک بول نہیں نِکلا، زمینیں بارانی ہو گئیں اَور مالیہ معافی کے لِئے رسالے کے جوان چُپ رہے۔ اَیسے اَیسے بول اُٹھا لوگے؟--- بولو، ہماری شمولیت ضروری ہے کہ نہیں؟"

جیَسے جیَسے بشیر بولتا جارہا تھا اُس کی آواز میں للکار پیدا ہوتی جارہی تھی اَور وَیسے وَیسے ہی کِسانوں کی غیرت اُبھرتی آرہی تھی۔ آخر ایک کِسان جوش میں آکر بولا "کیوں نہیں جی، سب سے آگے جائیں گے۔ کیوں بھائی؟" اُس نے دُوسروں کی جانب دیکھ کر پُوچھا۔ "کچُھ مُنہ سے بولو، ٹھیک ہے کہ نہیں؟"

"کیوں نہیں،" تین چار نے بیک آواز جواب دیا، "سب سے آگے، سب سے پہلے رسالے کی آواز اُٹھے گی۔"

"رسالے کی اَور شیخ علی احمد کی،" بشیر نے کہا۔

"رسالے کی اَور شیخ کی،" پہلے کِسان نے کہا۔ "جا اوئے فضلے، مراثی کو جلدی اُٹھا کے لا۔ کہنا ذرا ڈھول کس کے لائے۔ آج اُس کے ہاتھ کا کھیل بھی دیکھیں۔"

اعجاز مبہوت کھڑا بشیر کی کارروائی دیکھتا رہا۔ آج پہلی بار اُسے بشیر کی اصل صلاحیتوں کا علم ہُوا تھا۔ اِن اُٹھارہ لوگوں کو اُس نے بشیر کے ہاتھوں میں موم کی طرح مُڑتے ہُوئے دیکھا۔ سیاست کے اِس رُخ میں اُس نے ایک ایسی دلکش کشش محسُوس کی جِس کا تجربہ اُسے پہلے کبھی نہ ہُوا تھا۔

اجلاس کے مقام سے کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر وہ بس سے اُترے تو اُنہیں دُور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے جلسے کا ہجوم دِکھائی دے گیا اَور ڈھولوں کی دھمک اُن کے کان میں پڑی۔ ننگے کھیتوں میں، جِن سے فصلیں اُٹھائی جاچکی تھیں، سفید کرتوں، چادروں اور پگڑیوں میں ملبوس کِسانوں کا مُحرّک مجمع دُھوپ میں چمک رہا تھا۔ دُور سے اسے دیکھ کر ہی اعجاز کا دِل گرما گیا۔

"واہ بھئی واہ!" وہ بولا۔ "ذرا پنڈال تو دیکھ بھائی بشیر۔ کیسا مجمع لگا ہے۔"

بشیر کا رنگ زرد ہوگیا۔ "ملک اعجاز!" وہ کمزور سی آواز میں بولا۔ "میری طبیعت کچھ گرم سرد ہو رہی ہے۔"

"حوصلہ کر بھائی بشیر۔" اعجاز نے کہا۔

علی احمد کے گھر پہ تو بشیر چُپ رہا تھا۔ رسالے والے تک پہنچنے پہ بھی وہ خُوب ہمّت میں تھا، مگر جیسے ہی وہ اَپنے لوگوں کو لے کر بس میں سوار ہُوئے، بشیر کا جی چھوٹنے لگا تھا۔ "ملک اعجاز، مَیں نے تو تقریر صِرف ایک بار پڑھی ہے۔"

"کیا فرق پڑتا ہے،" اعجاز نے کہا۔ "کاغذ سامنے رکھ کر پڑھ دینا۔"

"کہیں پر اٹک گیا تو۔"

"اٹکو گے کیسے، صاف صاف لکھا ہُوا ہے، کوئی اَندھیری نہیں آئے گی جو کاغذ کو اُڑا کر لے جائے گی۔ کاغذ اَپنے سامنے رکھنا، عینک چڑھا لینا، اَور پڑھتے جانا۔"

"سچ پُوچھو تو ملک اعجاز، شیخ کی بات ٹھیک ہی تھی۔ لکھی ہُوئی پڑھنے سے تقریر میں جذبہ پیدا نہیں ہوتا،" بشیر نے کہا۔ "تقریر تو مُنہ زُبانی کرنے سے ہی حق ادا ہوتا ہے۔"

"اب تُم بھی شیخ کی طرح اِس چکّر میں مت پڑو،" اعجاز ہنس کر بولا۔ "میرا خیال ہے اُسے بخار بھی مُنہ زُبانی کے ڈر سے ہی چڑھ گیا ہے۔"

"ایک بار اَور پڑھ کر سُناؤں؟" بشیر نے اِلتجا کی۔

"ہاں ہاں، جتنی بار مرضی ہو پڑھو۔"

بشیر نے جیب سے تہہ کیے ہُوئے کاغذ نکالے اَور آہستہ آہستہ پڑھنا شُروع کیا۔

"ملک اعجاز،" وہ رُک کر بولا، "پسماندگی کا لفظ" میری زُبان پر نہیں چڑھتا۔"

"ٹھیک ہی تو بول رہے ہو۔"

"اِملاء کے اَندر پڑھ لیتا ہُوں، مگر روانی سے بولتے ہُوئے اٹک جاتا ہُوں۔ اِس جگہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر غُربت نہ بول دُوں؟"

"ہم تو غربت کی وجہ بتا رہے ہیں،" اعجاز نے کہا، "غربت کی وجہ ہی پسماندگی ہے۔ خیر، تُم اٹکتے ہو تو غُربت ہی بول دو۔"

ٹوٹی ہُوئی سڑک پر بس کے دھچکوں کے بیچ بشیر کاغذ کو نظروں کے سامنے ساکن رکھنے اَور ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُن کے ساتھیوں میں سے دس بارہ کو بیٹھنے کی جگہ مِل گئی تھی۔ باقی کے سیٹوں کے بیچ راستے میں کھڑے تھے۔ اُن میں سے ایک کے پاس حُقّہ تھا، جِسے وہ ایک دُوسرے کو ہاتھوں ہاتھ پکڑاتے ہُوئے پیتے جا رہے تھے۔ وہ سب بشیر کو اِس طرح فخر سے دیکھ رہے تھے جیسے اُس کے ہاتھ میں کوئی اِنعام پکڑا ہو۔ اُن کے دو تین ساتھی، بمعہ ڈُھول کے بس کی چھت پر چڑھ بیٹھے تھے۔ بشیر مزید ایک دو مقام پہ اٹک رہا تھا۔

"بیسک ڈیماکریسی کی جگہ بی۔ ڈی ٹھیک نہیں رہے گا؟" اُس نے پُوچھا۔

"بی۔ ڈی ہی کر دو۔" اعجاز نے کہا۔

بشیر کا اعتماد پھر بھی لوٹ کے نہ آیا۔ وہ کاغذ کو اِس طرح پکڑے ہُوئے بیٹھا تھا جیسے کوئی زہریلی شئے اُس کے ہاتھ سے چپک گئی ہو۔ آخر وہ بولا، "بھائی اعجاز، تُمہارے ہاتھ کی تقریر پر حق تو تُمہارا ہی ہے۔"

اعجاز نے مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا۔ اُس کا شک صحیح ثابت ہُوا۔ "میری جگہ پر تُم تقریر کر دو،" بشیر نے ملتجی ہو کر کہا۔

پچھلے کئی روز سے اعجاز کا دماغ اِس قدر مخمصے کی حالت میں رہا تھا کہ آخر ایک جگہ پر چند مِنٹ کو بیٹھ کر اُس نے اَپنے ذہن کو صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔ کنیز کا معاملہ، بشیر کا جذبہ، شیخ علی احمد کی لگن، اَور اِن سب کے بعد ملک جہانگیر کی تجویز۔ یہ سب واقعات اُس کو الگ الگ، اپنی اَپنی جانب کھینچ رہے تھے۔ آخر ایک موقعے پر وہ اِس اضطراب کے ہاتھوں مجبور ہو کر ٹھہر گیا تھا۔ اُسے محسُوس ہُوا کہ اِس حالت میں زیادہ دیر تک چلتے جانا اُس کے لِئے ممکن نہ تھا۔ ذہن کو جھٹک جھٹک کر راستہ نکالتے ہُوئے بالآخر وہ اِس نتیجے پر پہنچا تھا کہ فی الوقت وہ جہانگیر کی بتائی ہُوئی راہ پر ہی کاربند رہے گا۔ صِرف یہی ایک بات نہیں تھی کہ وہ جہانگیر کا احسان مند تھا، بلکہ جہانگیر کی باتوں میں دُنیا داری کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دانش کا بھی عمل دخل تھا۔

"گھاٹے کا سودا کبھی نہ کرو،" جہانگیر نے کہا تھا، "ورنہ تمہارے نیک جذبے ہوا میں ہی اُڑتے رہیں گے، کسی کے ہاتھ میں نہ آئیں گے۔ دُور سے حالات کو دیکھ کر پہچانو، کیونکہ اُن کی باگیں پیچھے کھڑے ہونے والوں کے ہاتھ میں ہی ہوتی ہیں۔"

"علی احمد نے یہ کام تمہارے سپرد کیا تھا،" اعجاز نے کہا، "تمہیں ہی سجتا ہے۔ آخر تمہاری خدمات کوئی کم تو نہیں۔"

"دُرست ہے بھائی اعجاز!" بشیر نے ڈولتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "مگر آخر تمہیں بھی تو کبھی نہ کبھی اِس جدوجہد میں کودنا ہے، پھر آج ہی سہی۔ تمہارے اور میرے بیچ کون سا فرق ہے؟"

"اوہو نہوں،" اعجاز نے ہولے ہولے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہمت کرو، آج تمہارا ہی ڈنکا بجے گا۔"

مایوس ہو کر بشیر نے ایک بار پھر تقریر کو ابتدا سے پڑھنا شروع کر دیا۔ مگر بس سے اُترتے ہی اتنا بڑا مجمع دیکھ کر اُس کا سانس سُوکھ گیا۔ اعجاز اسے تسلی دیتا ہوا جلسہ گاہ کی جانب لے چلا۔

ننگے کھیتوں کے ایک وسیع میدان میں جلسہ لگا تھا۔ ایک جانب چھوٹا سا شامیانہ نصب تھا جس کے نیچے لکڑی کے تختوں کا مختصر سا سٹیج کھڑا کیا گیا تھا۔ سٹیج پر دریاں بچھا کر چار پانچ کرسیاں اور ایک میز رکھ دی گئی تھیں۔ دو نوجوان ایک اُونچے سے ڈیسک پر رکھے ہوئے مائیکروفون کی تاروں کو اُٹھا بچھا رہے تھے۔ باقی کا اِجلاس کھُلے آسمان تلے تھا۔ کئی سو کے قریب لوگ جمع ہو چکے تھے، مگر ابھی چاروں جانب سے مختلف گروہ جوق در جوق پہنچ رہے تھے۔ بیل گاڑیوں، تانگوں اور پیدل جلوسوں کی آمد لگی تھی۔ بیچ بیچ میں اِکا دُکا گھڑسوار بھی دِکھائی دیتے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے جلوس کے ساتھ اپنا ڈھولچی تھا جو دُور سے ڈھول پیٹتا ہوا آتا۔ جیسے ہی یہ جلوس مجمعے سے آکر ملتا ڈھول کی تھاپ بدل جاتی۔ ڈھولچی کے مشاق ہاتھ مشین کی مانند چلنے لگتے اور بانس کی کھمچیاں ڈھول کی تنی ہوئی کھال پہ اِس طرح دھم دھم بجنے لگتیں گویا خودکار فائیر کرنے والے ہتھیار ہوں۔ اِس کو سُن کر نعرے لگانے اور ناچنے والوں کے بدن چند لمحوں کو منجمد ہو جاتے، جیسے کہ اُن کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خُون اُچھال مارنے سے پہلے اِس تال کے ساتھ ساتھ اُٹھ رہا ہو۔ جیسے ہی وہ تال ٹُوٹتی اَور ڈھولچی اَپنی مخصوص، دھمال کی جھولدار تھاپ دھم دھما دھم، دھم دھما دھم شُروع کرتا، مجمعے کا بند ایک دم ٹُوٹ جاتا۔ بیسیوں بازو اَور بدن ہوا میں اُٹھتے اَور پاؤں تھرک تھرک کر زمین پہ پڑنے لگتے۔ ساتھ ہی جلُوس کے مجموعی حلق سے شیر کی سی چنگھاڑ بر آمد ہوتی۔ زندہ باد اَور پائندہ باد کے بیچ اللہ اکبر اَور یا علی کے نعرے بلند ہونے لگتے۔ چند مِنٹ تک یہی جوش و خروش رہتا۔ پِھر جیسے ہی ایک مختلف سمت سے نئے جتھے کی آمد کی دھمک کان میں پڑتی، نعرے بند ہو جاتے اَور مجمعے کی آنکھیں دُور سے اُٹھتے ہُوئے گرد و غبار پہ لگ جاتیں۔ آہستہ آہستہ پِھر اِس گرد میں سے ناچتے، نعرے لگاتے ہُوئے کِسانوں کی شکلیں نمودار ہونے لگتیں۔ لوگوں کی متلاشی نظروں میں اشتیاق کی چمک ہوتی کہ دیکھیں اب کِس شہر، کون سے قصبے، کہاں کے موضع کے جلوس کی آمد ہے۔ جتھے والوں نے جھنڈے، پرچم اَور کتبے اُٹھائے ہوتے جِن پر جلی حروف میں اَپنے علاقے کا نام، کِسان تنظیموں کے نعرے اَور جتھہ لیڈروں کے احوال درج ہوتے۔ اُن کے سربراہ گیندے، موتیئے اَور دیسی گلاب کے ہاروں سے لدے پھندے، اَپنے حواریوں میں گھرے اَیسے چل رہے ہوتے گویا فوج کی کمان کر رہے ہوں۔ مجمع اُن کے قریب آنے کا انتظار کرتا۔ جوں ہی وہ جلُوس بڑے جلسے میں آکر شامل ہوتا، اُن کے ڈھول کی دھما دھم یک دم دھم دھم دھم کی تیز گردان میں بدل جاتی اَور سارا پروگرام نئے سرے سے شُروع ہو جاتا۔ اعجاز اِپنی عُمر میں میلوں ٹھیلوں کے اَندر شامل ہوتا رہا تھا، مگر اِس نوعیت کا اتنا بڑا جلسہ دیکھنے کا موقع اُسے پہلی بار ملا تھا۔ یہ سماں اَیسا انوکھا تھا کہ دِل میں اُمنگ پیدا کرتا تھا۔ یہ کِس بات کی اُمنگ تھی، اِس کا عِلم اعجاز کو نہ تھا، بس ایک ترنگ کی کیفیت تھی جِس سے دِل اُچھلنے لگتا، خیال اُڑان کرنے لگتا، چیزوں کو چاہنے کی خواہش پیدا ہوتی اَور زندگی روشن اَور پُراُمید نظر آنے لگتی تھی۔ مجمعے کے اَندر گھُومتے پِھرتے ہُوئے آخر ایک موقع پر اعجاز کو دفعتاً اِس بات کا احساس ہوا کہ وہ شئے جو اُس کے خُون میں ترنگ پیدا کرتی تھی وہ اِن کِسانوں کا رنگ تھا۔ اُن کی آنکھوں میں جو بیباکی تھی، ان کی چال میں جو بے فِکری اَور آواز میں اعتماد کا جو رنگ تھا وہ اعجاز نے فصل کی کٹائی کے موقع پہ یا کشتی کبڈی کے دنگلوں پر دیکھا تھا۔ مگر وہ صِرف وقت کے وقت کو آتا تھا اور موقعہ کے گزُر جانے کے بعد ایک بار پِھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کِسانوں کی زندگیوں میں روزمرہ کی قلاشی در آتی تھی، جِس کے ساتھ وہ اَپنی اَپنی بِساط کے مطابق گزارہ کرتے تھے، جیسے کہ صدیوں سے اُن کے آباؤ اجداد کرتے آئے تھے۔ آج اِس اجلاس کے اَندر کِسانوں کا اَنداز کچُھ اَور تھا۔ ڈھول کی تھاپ پہ اُن کی چال ڈھال نئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اَپنے دِن رات کی حاجتوں سے چھٹکارا پا چکُے ہیں اَور اب اُنہیں اَپنے آباؤاجداد کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ اِن افراد کو دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ اَپنے جدّی ورثے کو ہٹا کر اُس کی جگہ پہ خود آ کھڑے ہُوئے ہیں اَور اَب یہ بذاتِ خود اَپنی نسل کی بنیاد رکھیں گے۔ اعجاز ہجوم کی ریل پیل کے درمیان اَپنے آپ سے بے خبر کھڑا اِس احساس کے سنہری لمحوں کا لطف لے رہا تھا۔ اِس عجیب و غریب اُمنگ کی کیفیت میں اِس نے محسُوس کیا کہ اِس کا سینہ پھیل کر چوڑا ہو گیا ہے اَور خُون کا دوران رگ رگ کو پھڑکا رہا ہے، جیسے کِسی محبوب کی چاہت میں دِل پگھلا جارہا ہو۔ اچانک اُس کے اِرد گِرد مجمعے پر خاموشی چھا گئی۔ چاروں طرف سے چھوٹے بڑے ڈھول رُک گئے، صِرف مغرب کی جانب سے ایک ڈھول کی تھاپ اُٹھتی رہی جو بتدریج قریب آتی جارہی تھی۔ سارے جلسے کی نظریں اُس طرف لگی تھیں۔ مائیکروفون پر ایک نو دس سالہ بچّہ کچی سی آواز میں نعت گانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اَپنے اِرد گِرد خاموشی کو محسُوس کرکے وہ بھی ٹھٹک کر چُپ ہو گیا۔ اب جہاں تک نظر جاتی تھی سَر ہی سَر دِکھائی دیتے تھے جِن کی نگاہیں مغرب سے آنے والے جلوس کی جانب اُٹھی تھیں۔

"شیخ صاحب ہیں؟" ہاں، شیخ صاحب کا جلُوس ہے،" لوگ ایک دُوسرے سے کہہ رہے تھے۔ "ملک صاحب بھی آئے ہیں،" ہاں ہاں، ملک صاحب کیوں نہیں آئیں گے۔ اُن کا اپنا علاقہ ہے۔"

اُن خُوشنود چہروں پہ اُمید کی ایک ایسی جھلک تھی کہ اعجاز کا جی چاہنے لگا جو کچُھ بھی اُس کے پاس تھا وہ دے دے مگر ان لوگوں کو مایُوس نہ ہونے دے۔ نیا جلُوس اب قریب آچُکا تھا۔ ہر طرف "کِسان کمیٹی" اَور "نیپ" کے بینر سربلند تھے۔ سینکڑوں پاؤں کی دُھول میں اَٹے، ہاروں سے لدے پھندے لیڈر فاتح جرنیلوں کی مانِند جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ اُس جلُوس کی بل کھاتی ہُوئی لہر دِیکھتے ہی دِیکھتے بڑے جلُوس میں اِس طرح آکر ملی جیسے کوئی پُرشور نالہ دریا میں آکر شامل ہو جاتا ہے۔ فضا "کِسان مزدُور اتحاد زندہ باد،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیشنل عوامی پارٹی زندہ باد، قائد کِسان زندہ باد" اَور لیڈروں کے ناموں کے نعروں سے گونجنے لگی۔ مجمعے میں ایک شورش تھی جِس کی اُٹھان پر دھکیلا جاتا ہُوا اعجاز اَپنے جتھے سے بچھڑ گیا۔ لیڈروں کو اُن کے کارندوں اَور جلسے کے منتظمین نے نرغے میں لے کر سٹیج پر چڑھایا۔ نعرے بدستور جاری تھے۔ تین لیڈر جِن کے چہرے کانوں تک ہاروں میں چھُپے تھے، چند مقامی معززین کے ہمراہ سٹیج کی کُرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ چھوٹے موٹے لیڈر اَپنے اَپنے ہار پہنے لکڑی کے سٹیج پر چاروں طرف ٹانگیں لٹکائے، چہرے سامعین کی جانب اُٹھائے بیٹھے تھے۔

اعجاز اَپنی جگہ پہ کھڑا اشتیاق سے پہلی بار اُن لیڈروں کو دیکھ رہا تھا جِن کے اِس نے نام ہی سُن رکھے تھے۔ عقب سے کِسی نے اُس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ اعجاز نے مڑ کر دیکھا تو بشیر احمد کھڑا تھا۔ اِس کے چہرے پر ہلدی کا رنگ پھَیلا تھا۔ اعجاز نے گھبرا کر اپنا ہاتھ بشیر کی پُشت پر رکھا اَور اپنے ذہن کی تمام تر قوت ہتھیلی پہ مرکوز کر کے تسلی کی کوئی رَو بشیر کے بدن میں داخل کرنے کی سعی کی۔ اِس سے زیادہ اُس وقت اعجاز کچھ بھی کرنے کے قابل نہ تھا۔ مجمعے کی ہلچل ابھی تھمی نہ تھی۔ کئی مِنٹ سے سٹیج کے انچارج مائیکروفون پر آ کر لوگوں سے بیٹھنے کی درخواست کر رہے تھے۔ سانولے سے ایک نوجوان نے آ کر مزدُوروں اَور کِسانوں کی یکجہتی کے لِئے ترنم سے ایک انقلابی نظم پڑھنی شُروع کر دی۔ اُس کے بعد ابتدائی مقررین کے نام پُکارے جانے لگے، جنہیں ساتھ ہی تلقین کی جاتی کہ وہ دو چار مِنٹ سے زیادہ کا وقت نہ لیں، کیونکہ جلسے کی پالیسی اَور لیڈران کی خواہش کے مطابق زیادہ سے زیادہ مقامی اَور علاقائی مقررین کو خطاب کی دعوت دی گئی ہے۔ تقریریں شُروع ہو چکی تھیں۔ انتباہی کلمات کے باوجُود، چھوٹے مقرر کو خطاب کے دَوران ہاتھ سے پکڑ کر چُپ کرایا جاتا اَور اگلے آدمی کا نام پُکارا جاتا تھا۔ ایک موقعہ پر بشیر کو دیکھ کر اعجاز کے جی میں آیا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر بشیر کا نام مقررین کی فہرست سے محو ہو جائے مگر اُس نے اُس وقت تک اپنا ہاتھ مضبوطی سے بشیر کی پُشت پہ جمائے رکھا جب تک کہ اُس کا نام سٹیج سے پُکارا نہ گیا۔ "اب رسالے والا کِسان کمیٹی کے سربراہ، کِسان حقوق کے انتھک سپاہی، شیخ علی احمد جلسے سے خطاب کریں گے۔۔۔"

اِس اعلان پر رسالے والے کے جتھے سے، جو مجمعے کے مشرقی کونے پر جمع تھا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈھول کی تیز تھاپ اَور 'شیخ علی احمد' زندہ باد کے نعرے بلند ہونے شُروع ہُوئے۔ سب لوگوں کے سر، شیخ علی احمد کو دیکھنے کی توقع میں اُس طرف کو مُڑ گئے۔ کئی سیکنڈ گزُر گئے، مگر جتھے سے کوئی شخص بر آمد نہ ہُوا۔ نعرے آہستہ آہستہ ختم ہو گئے۔ پھر ڈھول بھی خاموش ہو گیا۔ مجمعے سے باتوں کی بھنکار اُٹھی۔ لوگ اُٹھنے بیٹھنے، کپڑے جھاڑنے اَور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ بشیر کی پُشت پر اعجاز کے ہاتھ نے ہَولے سے اُسے آگے دھکیلا۔ مائیکروفون پر آدمی نے کہا۔

"شیخ علی احمد صاحب اگر موجُود ہیں تو سٹیج پر تشریف لائیں۔۔۔۔"

بشیر نے بیکسی سے آنکھیں اُٹھا کر اعجاز کو دیکھا۔ اُس کے چہرے کی پیلاہٹ کے اَندر سُرخی کی دھاریاں نمودار ہو رہی تھیں۔

"چلو، تُمہارے اُوپر دباؤ ختم ہُوا،" اعجاز نے سرگوشی میں تسلی دی، "تقریر کی ضرورت نہیں، جا کر علی احمد کا پیغام پڑھ دو، اللہ اللہ خیر سلا، جاؤ۔"

بشیر نے قدم اُٹھایا اَور کمزور چال سے چلتا ہُوا سٹیج کی جانب بڑھا۔ مجمعے کی بھنکار تیز ہو گئی۔ بشیر کو دیکھتے ہی مشرقی کونے سے رسالے کے جتھے کا ڈھول بج اُٹھا اَور چُوہدری بشیر احمد زندہ باد، رسالے والا کِسان اتحاد زندہ باد، ایک بار پھر بلند ہونے لگے۔ بشیر نے اُن کی جانب ہاتھ اُٹھا کر جواب دیا۔ اعجاز کا دِل دِھک دِھک کر رہا تھا مگر دیکھتے ہی دیکھتے بشیر میں گویا جان پڑ گئی۔ وہ ہجوم کے اَندر لمبے لمبے ڈگ بھرتا سٹیج پر جا چڑھا۔ اعجاز کا دِل خُوشی کے مارے اَور بھی تیزی سے دھڑکنے لگا۔ بشیر نے سٹیج پر چڑھنے کے بعد ایک آدمی کی مدد سے مائیکروفون کا پیچ کھول کر اُسے اِپنے قد کے برابر نیچا کیا، اُس کے سامنے اپنا مُنہ جمایا، اَور بولا۔

"کِسان اتحاد کے ادنیٰ خادم، شیخ علی احمد صاحب ناسازیٔ طبع کے باعث تشریف نہیں لا سکے۔ مجُھے یہ اعزاز بخشا گیا ہے کہ ان کا پیغام پڑھ کر سُناؤں۔" پھر اِس نے ہاتھ ہوا میں بلند کیا اَور یکے بعد دِیگرے مُتعدّد نعرے لگوانے شُروع کیے۔

"کِسان اتحاد۔" وہ چیخا۔

"زندہ باد،" مجمعے نے جواب دیا۔

"جو واہوے،" وہ بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوہو ای کھاوے۔" مجمع گرجا۔

"قائد کِسان۔"

"زندہ باد۔"

"قائد مزدُور۔"

"زندہ باد۔"

"شیخ صاحب۔"

"زندہ باد۔"

"ملک صاحب۔"

"زندہ باد۔"

ہر نعرے کے بعد اُس کی آواز میں گرج پیدا ہوتی جارہی تھی۔ اعجاز حیرت کے مارے مُنہ کھولے گلا پھاڑ پھاڑ کر بشیر کے نعروں کا جواب دے رہا تھا۔ جب نعرے ختم ہُوئے تو بشیر چند لحظے کو ساکت ہو گیا، جیسے اَپنی ہی آواز سے ٹھنک کر رہ گیا ہو۔ پھر اُس نے ہاتھ میں پکڑے تقریر والے دو کاغذ اپنے سامنے اُٹھائے اَور بولنا شُروع کیا۔ بشیر کے وجُود پہ اعجاز کا انہماک اِس درجہ تھا کہ اتنے فاصلے سے بھی اُس کو بشیر کی انگلیوں کا ہلکا سا ارتعاش صاف دِکھائی دے رہا تھا جس کے باعث تقریر والے صفحات کپکپا رہے تھے۔ اعجاز کو علی احمد اَور بشیر کے ساتھ اَپنی تقریر اتنی بار دُہرانی پڑی تھی کہ خود اُسے زُبانی یاد ہو چکی تھی۔ جیسے جیسے بشیر پڑھتا جاتا تھا، اعجاز کے ہونٹ بے آواز طور پہ ساتھ ساتھ ہلتے جارہے تھے، گویا کسی امام کے پیچھے لقمہ دینے کو تیار کھڑا ہو۔ تقریر کے دوران بشیر کی زُبان صِرف ایک آدھ بار ذرا سی لڑکھڑائی، مگر اُس کے لہجے کی مضبوطی بدستور قائم رہی۔ اعجاز کے دِل کی دھڑکن آہستہ آہستہ معمول پہ آنے لگی۔ اُس کے خدشوں کا ہیجان تھمنے لگا۔ جلسے میں داخل ہونے کے بعد پہلی بار بشیر کا دھڑکا اُس کے دِل سے اترنا شُروع ہوا تھا، گویا اُسے یقین آتا جارہا ہو کہ بشیر اب اَپنے پاؤں پہ کھڑا ہو چُکا تھا۔ اُس کا دھیان اب گرد و غُبار میں اٹے ہُوئے مجمعے کی جانب بٹتا جارہا تھا جس کے اَندر وہ پھنسا پھنسایا کھڑا تھا۔ بیساکھ کی کاٹتی ہُوئی دُھوپ میں تپے ہُوئے گرد کے ذرّے سوئی کی نوکوں کی مانند گردن میں سوراخ کر رہے تھے۔ اعجاز کو یہ سوچ کر حیرت ہُوئی کہ بشیر کے اندیشے میں اُس نے گرمی کے اِس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہنم کو ذرہ برابر محسوس نہ کیا تھا۔ اعجاز گو کسان بچّہ کسان تھا، مگر اپنی کھلی رنگت اور نسبتاً سہل زندگی کی نشانیوں کی بدولت اِس ہجوم میں الگ دِکھائی دے رہا تھا۔ وہ سر پہ رومال پھیلائے، پسینے میں شرابور کھڑا تھا جبکہ اُس کے گرد جلی ہُوئی عنابی جلد والے کسان، جن کے چہروں پہ صرف نمی کی ایک ہلکی سی تہہ چمک رہی تھی، یُوں بے خبر بیٹھے تھے جیسے دلجمعی سے دُھوپ سینک رہے ہُوں۔ یہ لوگ، اعجاز نے سوچا، ایک الگ قوم ہیں، کٹورہ بھر لسی پہ دِن گزار دیتے ہیں اور پیشاب پیلا نہیں ہونے دیتے۔ اعجاز کی نظر پُشت در پُشت بیٹھے ہُوئے کسانوں سے اُٹھ کر لمحے بھر کو چاندی کے سے لش لش کرتے آسمان پہ گئی اور خیرہ ہو کر لَوٹ آئی۔ اُوپر سے، اِس نے سوچا، آگ برسے یا پانی، ہر حال میں آسمان سے ان لوگوں کا ساتھ ہے۔ یہ بدن کی کوفت سے آزاد ہیں۔ میں، اُس نے افسوس کے ساتھ سوچا، جو برحق اِن میں شامل تھا، اِن سے ہٹ چُکا ہُوں۔

بشیر کی تقریر ختم ہوئی۔ رسالے والے کے دستے سے ڈھول کی تھاپ اور نعروں کی آوازیں ایک دم سے اِس طرح بلند ہوئیں جیسے گرد کا بھبکا زمین سے اُٹھا ہو۔ باقی کے جلُوس میں سے چند لوگوں نے اُن کا ساتھ دیا۔ کئی جگہ سے لوگوں نے اُٹھ اُٹھ کر کپڑے جھاڑے اور اِدھر اُدھر دیکھ کر پھر بیٹھ گئے۔ بعض لوگ محض جگہ بدلنے کو اُٹھے اور ایک قدم پرے جا بیٹھے۔ اعجاز کی توجہ رسالے والوں کے نعروں اور ہوا میں اُٹھتے ہُوئے بازوؤں پہ مرکُوز تھی کہ اچانک اُس کی کہنی کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ بشیر اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ فرطِ جذبات سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر پیلاہٹ کی بجائے راکھ کا رنگ پھیلا تھا، جیسے کہ وہ پچھلے چند مِنٹ کے اندر آہستہ آہستہ بھسم ہوتا رہا ہو۔ مگر اُس کی آنکھوں میں ایک تیز گرم سی چمک تھی، گویا کسی دبی ہُوئی چنگاری نے جان کی رمق کو روشن کر رکھا ہو۔ اِس غیر قدرتی شکل کو دیکھ کر اعجاز کے دِل میں اُس کے لِئے ایک دھڑکتا ہُوا خدشہ پیدا ہُوا۔ اُس نے جلدی سے بشیر کو بازو سے پکڑا اور اپنے ساتھ چلاتے ہُوئے رسالے والے کے جلُوس کی جانب لے چلا۔ ابھی وہ چند قدم ہی گئے تھے کہ اعجاز نے بشیر کے چہرے پہ ایک اور نگاہ ڈالی اور رُک گیا۔ معاً اُسے خیال آیا کہ بشیر مجمعے کی شورش کو سنبھال نہ سکے گا اور ممکن ہے کہ راستے میں ہی ڈھیر ہو جائے۔ اُس نے اپنا رُخ بدلا اور بشیر کو تھامے تھامے دُوسری جانب سے نِکل گیا۔ بشیر بے احتجاج اُس کے ساتھ ساتھ چلتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ رسالے کا جلوس اپنی کود پھاند میں مصروف تھا۔ سٹیج سے اگلے مقرر کے نام کا اعلان ہوا تو اِس شخص کے جلوس نے ڈھول بجانے اور نعرے لگانے شروع کر دیئے جس سے رسالے والوں کا خروش کچھ دب گیا۔ اعجاز اور بشیر اسی غلغلے کی اوٹ میں ہجوم سے نکل کر سڑک پہ پہنچ گئے۔ اعجاز بشیر کو لئے ٹاہلی کے ایک گھنے درخت کے سایے میں جا کھڑا ہوا۔ پیشتر اِس کے کہ رسالے کے جلوس والوں کی نظریں اُن پہ پڑتیں، سڑک پہ ایک بس آتی دِکھائی دی۔ اعجاز نے اُسے ہاتھ دیا اور دونوں اُس پہ سوار ہو گئے۔

جیسے جیسے بس جلسہ گاہ سے دُور ہوتی گئی، بشیر کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا۔ آہستہ آہستہ اِس کی جلد پہ سُرخی کی لہر دوڑنے لگی اور آنکھوں کی چمک معمول پہ آگئی۔ اُس وقت اعجاز کو احساس ہوا کہ بشیر کی ہڈیوں میں بھری ہوئی جان سخت گیر ہے۔

"علی احمد کارروائی سُن کر بڑا راضی ہو گا۔" اعجاز نے کہا۔

"ہاں،" بشیر کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ پھیلی۔ "خُدا کرے اُن کا بخار اُتر جائے۔"

رستے میں اُنہیں ایک بس بدلنی پڑی۔ چیختی چلاتی ہوئی چُولوں اور پھنکارتے ہوئے انجن والی بس پہ دھچکے کھانے کے بعد جب وہ اپنے چوک پہ اُترے تو ٹھوس زمین پہ قدم رکھتے ہی اُنہیں تنومندی کا احساس ہوا۔ اُن کے دِل میں فتح کی سرشاری تھی۔ اعجاز نے دِل میں سوچ رکھا تھا کہ علی احمد شیخ سے ملتے ہی وہ کہے گا۔ جلسہ مار لیا، شیخ۔ اب اُٹھ کے بیٹھ جاؤ۔ رسالے والے کا نام بڑے بڑے لوگوں تک پہنچ گیا ہے۔" اُسے یہ بھی عِلم تھا کہ بشیر اپنے ہیجان کے اندر فوراً ہی بول پڑے گا۔ "شیخ کے نام کا نل کھڑک گیا ہے، کیوں چوہدری اعجاز! کیا غلط کہہ رہا ہوں؟ اور،" وہ اپنا چہرہ علی احمد کے مُنہ کے قریب لا کر کہے گا، "ملک صاحب اور شیخ صاحب سٹیج پر بیٹھے تالی بجانے لگے تھے۔" یہ باتیں سُن کر علی احمد کا چہرہ کھل اُٹھے گا۔ اُس کے نمایاں تھوتھنی والے چہرے پر مسکراہٹ بکھر جائے گی اور چھوٹی چھوٹی تیز آنکھیں چمکنے لگیں گی۔ بدن کے اندر خُوشی کی لہر دوڑنے پر ممکن ہے کہ اُس کا بخار اُتر جائے۔ دُوسری جانب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرطِ جذبات سے اُس کی حالت مزید بگڑ جائے۔ شائید مناسب ہو کہ اتنے زوردار طور پہ جلسے کا احوال پیش نہ کیا جائے؟

ایک عرصے تک اعجاز کی زندگی کے اندر اور باہر ابتلاء کا دَور رائج رہا تھا۔ دِل کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناچاقی نے ہاتھ بڑھا کر گھر کے اَندر اُنگلیاں پھیلا رکھی تھیں۔ وہاں سے نِکل کر اعجاز نے خلق خُدا سے ایک رشتہ استوار کیا تھا۔ اِس دوران اُسے کِسی رُخ سے بھی کامرانی کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا، لیکن ایک اَندرونی قوّت تھی جو اُسے اِس راستے پر آگے ہی آگے چلاتی جارہی تھی حتیٰ کہ آج کا دِن آپہنچا تھا۔ دِن بھر کے اعصابی تناؤ کے بعد آخر کامیابی کا احساس ہونے پر اعجاز کے اَندر ایک خُوش کُن ماحول پیدا ہو چُکا تھا۔ اِسی کیفیت میں وہ بشیر کے ہمراہ علی احمد کے گھر کی جانب بڑھ رہا تھا کہ دُور سے ہی اُنہیں گلی کا کہرام نظر آگیا۔ گلی کے دہانے پہ ایک کلبلاتا ہُوا ہجوم تھا جِس کے اَندر مرد، عورتیں اَور بچّے سبھی شامل تھے۔

"اللہ خیر کرے بھائی اعجاز،" بشیر بولا، "دیکھ رہے ہو؟"

اعجاز نے کوئی جواب نہ دیا۔ دونوں دھڑکتے ہُوئے قدموں سے چلتے گلی کے کونے پہ جاکر رُک گئے۔ مرد، عورت، بوڑھے، جوان اَور بچوں کا مجمع گلی کے اَندر تک پھیلا تھا۔ مردوں کی زُبان پہ تھا، "حملہ ہو گیا۔ حملہ۔" اَور عورتیں پُکار رہی تھیں، "ہائے، بدبختوں نے ظلم کر دیا۔"

اعجاز اَور بشیر نے سر اُٹھا اُٹھا کر گلی کے اَندر دیکھا۔ اعجاز نے آخری بار اَپنی حسرت ناک کیفیت کے ساتھ چمٹا رہنے کی کوشش میں خواہش کی کہ کاش اِس وقت وہ یہاں موجُود ہونے کی بجائے کِسی اَور جگہ پر ہوتا۔ مگر اب وقت نہیں تھا۔ وہ دونوں بیتاب ہاتھوں سے مجمعے کو جُدا کرتے ہُوئے آگے بڑھے۔ علی احمد کے گھر کے دروازے پر لوگوں کی پسینے میں بھیگی ہُوئی بھیڑ آپس میں رگڑیں کھا رہی تھی، جِس سے دروازے کی چوگاٹھ بھی نم آلُود ہو گئی تھی۔ گھر کے اَندر ایک شور تھا۔ بیٹھک کی اکلوتی کھڑکی بند ہونے کے باعث کمرے میں نیم اَندھیرا تھا۔ اعجاز اَور بشیر بھیڑ کی دھکیل کے بیچ پھسلتے پھسلاتے ہُوئے اَندر داخل ہُوئے۔

چار پانچ آدمی علی احمد کی چارپائی پہ جھکے ہُوئے تھے۔ چارپائی پہ علی احمد اُونچی آواز سے کراہ رہا تھا۔ دو آدمیوں نے اُس کی دائیں ٹانگ کو سہل ہاتھوں اُٹھا رکھا تھا۔ تیسرا آدمی ایک چوڑی سی پٹی، ٹخنے سے لے کر گھٹنے تک، پنڈلی کی نلی کے گِرد بل دے دے کر کستا جارہا تھا۔ علی احمد نے کراہتے ہُوئے، اَپنے اُوپر جھکے ہُوئے چہروں میں اعجاز اَور بشیر کی شکل دیکھی، مگر پہچان کا کوئی نشان اُن آنکھوں میں پیدا نہ ہُوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تین جگہ سے ہڈی ٹوٹی ہے،" ایک محلے دار نے اعجاز اور بشیر کو پہچان کر اطلاع دی۔

"توبہ توبہ،" ایک دُوسرا کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا، "ہاکیوں سے مار مار کے نلی چُورا چُور کر دی ہے۔"

گھر کے اندر کھُلنے والے دروازے کا ایک پٹ نیم وا تھا۔ اعجاز اِس گھر کے اندر کبھی نہ گیا تھا مگر اِس وقت وہ ضبط نہ کر سکا۔ وہ علی احمد کی چارپائی سے ہٹ کر گھر کے اندر کھُلنے والے دروازے تک گیا۔ صحن میں عورتوں کے جُھرمٹ کے اندر اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ پھر اِس کے سامنے کی دو عورتیں ایک لمحے کے لِئے جُدا ہوئیں تو اُسے ایک جھلک دِکھائی دی۔ زمین پر ایک جسم بے سدھ پڑا تھا جسے کڑھے ہُوئے سُرخ پھُولوں والی سوزنی سے ڈھک دیا گیا تھا۔ اُس سوزنی کے دامن سے دو سیاہ پیر جھانک رہے تھے، جو ایک دُوسرے سے اتنی چوڑائی پہ پھیلے تھے کہ معلُوم ہوتا تھا بدن سے چیر کر جُدا کر دیئے گئے ہیں۔ بشیر جو گھر کے اندر آتا جاتا تھا، دروازے سے گزُر کر اعجاز کی نظروں کے سامنے آگیا۔ اعجاز وہاں سے ہٹ آیا۔ کچھ دیر کمرے میں کھڑا رہنے کے بعد اُس نے دُوسری دیوار کے ساتھ جاکر ٹیک لگائی اور پاؤں کے بل زمین پہ بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام کر آنکھیں بند کر لیں۔

"ریڑا آگیا ہے۔" کِسی نے آواز دی۔ اعجاز نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ گلی میں ایک ہموار پھٹے اور ویگن کے بوسیدہ ٹائروں والی گاڑی کھڑی تھی جِس کے آگے خچر جتا تھا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اعجاز نے چھ آدمیوں کو علی احمد کا کراہتا ہُوا جسم اُٹھا کر باہر لے جاتے اور ریڑے پر لادتے ہُوئے دِیکھا۔

"سول ہسپتال لے چلو، سول ہسپتال،" کئی آوازیں ایک ساتھ اُٹھیں۔

خچر چل پڑا۔

"اور بی بی؟" کِسی نے پُوچھا، "اوئے مائی کو کون لے جائے گا؟"

"دُوسرے پھیرے،" کِسی نے جواب دیا۔ "بات ہو گئی ہے، اِس پھیرے میں جگہ نہیں ہے۔"

اعجاز کو محسُوس ہوا جیسے وہ اِس منظر سے الگ کہیں بیٹھا ہے اور اِس قصے سے اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا کوئی واسطہ نہیں، یا جیسے کوئی خواب خیال کی بات ہو۔ بشیر صحن کی جانب سے داخل ہو کر اِس کے پاس آ بیٹھا۔ اُس کے چہرے پر پھر خاک کا رنگ اُڑ رہا تھا۔

"زیادتی کر گئے ہیں،" وہ بولا۔ اعجاز نے خاموشی سے اُس کی بات سنی۔

"آوے والے ہی تھے،" بشیر پھر بولا۔ "حمید کی کرتوت ہے۔"

اعجاز نے آنکھیں کھول کر بشیر کو دیکھا۔ "بچ گئی ہے؟" اِس نے ہولے سے پوچھا۔

"ہاں۔ مارا وارا نہیں،" بشیر نے کہا۔ "مگر زیادتی کر گئے ہیں۔"

ایک محلے دار اُن کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ "چھ آدمی تھے،" وہ بولا۔ "دنا دن گھر میں گھسے اور منٹوں میں کسب کر کے چلے گئے۔ پرچہ کٹاؤ جی، دیر کیوں کر رہے ہو۔ سارا محلہ گواہ ہے۔"

"زیادتی کے دوران شاید گلا دب گیا تھا۔" بشیر نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ "نیلے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ سانس چل رہی ہے۔ اللہ زندگی دینے والا ہے۔"

اعجاز کے اندر انتقامی جذبہ اِتنی تیزی سے اُٹھا کہ اِس نے چاہا علی احمد اور کنیز میں سے ایک اپنی جان سے چلا جائے تاکہ قتل کا پرچہ ہو، چھوٹے موٹے مقدمے سے تو حمید کی پارٹی بچ نکلے گی۔ پھر اگلے ہی لمحے وہ جذبہ جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ اُتنی ہی تیزی کے ساتھ اعجاز کو اپنی بے بضاعتی کا احساس ہوا۔ اُس نے دوبارہ آنکھیں میچ کر سر گھٹنوں پہ ٹیک دیا۔

کچھ دیر کے بعد بشیر اُٹھ کر گھر کے اندر چلا گیا۔ جب اعجاز نے گھٹنوں سے سر اُٹھایا تو کمرہ تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ صِرف دو جوان لڑکے خاموش چارپائی پہ بیٹھے تھے۔ اعجاز کی آنکھوں کے سامنے وہ بیسیوں منظر گھوم گئے جب اُس کی آمد پر علی احمد کچھ دیر کے لِئے گھر سے چلا جاتا تھا اور اِس کمرے میں کنیز کے ساتھ اُس کی ملاقات ہوتی تھی۔

بشیر نے صحن کے دروازے سے سر نکالا۔ "اوئے ریہڑے والا کہاں مر گیا ہے؟" اِس نے پکار کر کہا۔

"آ رہا ہے بھائی، آ رہا ہے۔ دو مِنٹ صبر کرو۔" کِسی نے گلی کے دروازے سے جواب دیا۔

"دو مِنٹ کرتے کرتے گھنٹہ ہو گیا ہے،" بشیر بولا۔ "لڑکی کی جان گلے میں اٹکی